اقبال کا خطبۂ ہفتم و شرح از ڈاکٹر جاوید اقبال
(تحقیقی و تنقیدی جائزہ)

ڈاکٹر محمد ارشد اویسی

Dr. Muhammad Arshad Awaisi
Head of Urdu Department,
Lahore Garrison University, Lahore.

محمد خرم یاسین

M. Khurram Yasin
Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:

"Dr. Allama M. Iqbal delivered his famous seven addresses "The Reconstruction of Religious Thought in Islam" for the renaissance of religious thought of Muslims. Due to the amalgam of Philosophy, Science and Religion, explanatory studies have been conducted by many experts in this regard and Dr. Javed Iqbal is one of them. He has also written a complete book for the said purpose. In this article, 7th address of Dr. Allama M.Iqbal "Is Religion Possible" and its explanatory study by his son Dr. Javed Iqbal have been brought into lime light to examine pros and cons of this explanatory study."

علامہ محمد اقبال نے یہ خطبہ ارسٹاٹیلین سوسائٹی لندن کی دعوت پر پڑھا تھا جس میں ان کے مخاطبین کی کثیر تعداد غیر مسلم تھی۔ یہ لوگ دنیا میں مذہب اور بالخصوص اسلام کے حال و مستقبل کے حوالے سے شکوک و شبہات اور سوالات کے تسلی بخش جوابات چاہتے تھے۔ ذیل میں خطبے کے بنیادی مباحث بیان کیے جا رہے ہیں۔

بنیادی مباحث خطبۂ ہفتم

علامہ محمد اقبال نے اس خطبے کا آغاز جن مباحث سے کیا وہ ان کے پہلے اور دوسرے خطبے میں شامل رہے ہیں۔ پہلے خطبے میں انھوں نے مذہبی تجربے کی جزئیات کو بیان کیا تھا اور یہ موقف اپنایا تھا کہ یہ بھی علم کا ایک ایسا ہی ذریعہ ہے جیسا کہ دیگر علوم کے ذرائع ہیں۔لیکن یہ ضروری نہیں کہ اسے مکمل سائنسی طرز یا بظاہر محسوسات پر ثابت کیا جا سکے۔صوفیانہ تجربے کی جزئیات بیان کرتے ہوئے بھی انھوں نے اسی بات کا اعادہ کیا تھا کہ یہ من وعن قابلِ بیان نہیں ہے اور مزید یہ کہ اس کی حیثیت شخصی یا انفرادی ہو سکتی ہے۔اس خطبے کو انھوں نے انھی مسائل سے دوبارہ شروع کیا ہے۔لکھتے ہیں کہ ایمان کے تین درجے ہیں جن میں سے پہلے میں انسان ایمان بالغیب کے فارمولے کے تحت ایمان لاتے ہیں اور احکاماتِ الٰہی کی پیروی ہی ان کے لیے اول و آخر بہتری ہوتی ہے۔اسی سے ان میں نظم وضبط بھی پیدا ہوتا ہے اور اس کے فوائد سے مالا مال بھی ہوتے ہیں۔دوسرے درجے میں وہ فکر و تفکر کے سلسلے میں گندھتے چلے جاتے ہیں اور مابعد الطبیعیات یا مذہب کے حقائق تک رسائی اور اتصال چاہتے ہیں جب کہ تیسرے میں وہ اس سے ایک درجہ اوپر یعنی معرفتِ الٰہی چاہتے ہیں۔چونکہ باطنی واردات کا بیان نہایت مشکل ہے اسی لیے علامہ محمد اقبال کے مطابق اس میں تصوف کی رہنمائی ضروری ہے لیکن یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ اس سے مراد وہ تصوف نہیں جو کئی سو برس (پہلے خطبے کے مطابق گزشتہ پانچ سو سال) سے جامد وساکت اور فضولیات کا شکار ہے بلکہ اس کا تعلق روحانی واردات کے درست اطلاق و بیان سے ہے۔اس مقام پر ترجمے میں پہلے صفحے کے آخر پر ڈاکٹر وحید عشرت نے قرآنِ مجید کے مطالعے کے حوالے سے ایک شعر نقل کیا ہے جو اصل خطبے میں یا ترجمہ از سید نذیر نیازی میں موجود نہیں۔یہ شعر ان سے قبل ۱۹۸۶ء میں علامہ اقبال یونی ورسٹی سے شائع ہونے والی ’’تسہیل خطباتِ اقبال‘‘ میں اسی خطبے کی تسہیل از ڈاکٹر ابصار احمد میں بھی موجود ہے۔ڈاکٹر وحید عشرت نے بھی اسے ترجمے میں جگہ دی ہے۔ شعر یہ ہے:

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشاہ ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف(۱)

اس نقطے پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسی شے جو بظاہر نہ حواس میں آتی ہو یا جدید سائنس کے مطابق حواس سے ہم آہنگ ہو اور نہ ہی اس کی کوئی حواسِ خمسہ سے کوئی توجیہہ ممکن ہو تو اسے کیسے بیان کیا جائے یا اس کی حقیقت پر کیوں نہ شک کیا جائے۔یہ نہایت اہم سوال ہے جس کے جواب میں پہلے تو وہ تحریر کرتے ہیں کہ سائنس کل علم کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے اس لیے اس کے سامنے معلوم و نامعلوم کا جو سلسلہ رہتا ہے وہ طویل ہوتا رہتا ہے یعنی جو شے آج سے دس یا بیس سال قبل سائنس کی مسلمات وتسلیمات سے باہر تھی آج وہ اس میں داخل ہے تو عین ممکن ہے کہ غیر محسوس ذرائع علم کی بھی

کوئی توجیہہ کچھ عرصے بعد سائنس کے لیے قابلِ قبول ہو جائیں۔ انھوں نے محی الدین ابن عربی اور محمود اشنوی المعروف عراقی کے اقوال پیش کیے ہیں جن کے مطابق وجودِ مدرک تو خود خدا کا ہے اور زمان و مکان کے سلسلے بھی وہیں سے جاری ہیں۔ دوسرے خطبے میں علامہ محمد اقبال نے حضرت بایزید بسطامیؒ کی زندگی سے ایک واقعہ پیش کیا تھا جس میں مریدین میں سے ایک نے کہا کہ ایک وقت تھا جب صرف اللہ تعالیٰ ہی موجود تھا۔ اس پر انھوں نے جواب دیا کہ اب بھی ایسا ہی ہے۔ اس لیے علامہ محمد اقبال کانٹ کے اس اعتراض کو رد کرتے ہیں کہ جو غیر محسوس ہے یا جس کا بیان مشکل ہے اسے تسلیم ہی نہ کیا جائے یا نظر انداز کر دیا جائے۔ اسی ضمن میں انھوں نے ایک اور اعتراض کا بھی احاطہ کیا ہے جو کہ حقیقتاً نہایت اہم سوال بھی ہے، وہ یہ کہ ایسی صورت میں جب کہ باطنی تجربات کسی ایک شخص کے ساتھ انفرادی سطح پر ہوں تو اس کا ابلاغ یا ترسیل دوسروں تک ممکن نہیں ہے۔ اسی حوالے سے مذہب اور سائنس کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چونکہ مذہب سائنس کے بظاہر حواسی نظام سے باہر ہے اس لیے وہ اسے نظر انداز کر دیتی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

> "Science can afford to ignore metaphysics altogether, and may even believe it to be "a justified form of poetry", as Lange defined it, or "a legitimate play of grown-ups", as Nietzsche described it. But the religious expert who seeks to discover his personal status in the constitution of things cannot, in view of the final aim of his struggle, be satisfied with what science may regard as a vital lie, a mere "as-if" to regulate thought and conduct."(2)

علامہ محمد اقبال نے یہاں لانگے اور نطشے کا حوالہ دیا ہے جن میں اول الذکر کے مطابق مذہب شاعری کی ایک صائب شکل اور آخر الذکر کے مطابق بالغوں کا ایک ایسا کھیل ہے جسے کھیلنے کا انہیں حق حاصل ہے۔ اگر ان سائنس دان اور فلاسفہ کی تعبیرات کو درست تصور کر لیا جائے مذہب کا تصور مشکلات سے دوچار ہوتا ہے حالانکہ مذہب ایک حقیقت ہے۔ اگر اس سے انسانی خودی کا اتصال ہو جائے تو وہ اس کے فیوض و برکات سے مالا مال ہو جاتی، بصورتِ دیگر شکوک وشبہات کا شکار رہتی ہے۔ اس لیے اس حقیقت کو مفروضوں میں بھی نہیں تولا جا سکتا۔ خودی کی تعمیر اور اس کی بلندی کے حوالے سے علامہ محمد

اقبال نے جو بحث تیسرے اور چوتھے خطبے میں کی تھی، اس خطبے میں اس مقام پر اسے اشارتاً بیان کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

''بلاشبہ عمل، یعنی نفسیاتی اور عضویاتی افعال پر کنٹرول رکھتے ہوئے خودی کی تعمیر کر کے اس کا حقیقت مطلقہ کے ساتھ فوری طور پر ربط پیدا کرنا، اپنی صورت اور ماہیت کے اعتبار سے انفرادی ہوتا ہے ۔۔۔ تاہم اس کے اندر یہ خصوصیت موجود ہے کہ دوسروں کو اپنے ساتھ شریک کر لے اور وہ اس طرح کہ دوسرے بھی اس عمل کو کرنا شروع کر دیں تاکہ وہ اپنے طور پر دریافت کر سکیں کہ وہ حقیقت تک رسائی حاصل کرنے میں کس قدر موثر ہے۔ ہر زمانے کے اور تمام ممالک کے مذہبی تجربے کے ماہرین کی شہادت یہ ہے کہ ہمارے عمومی شعور سے بالکل وابستہ ایک ایسا شعور بھی ہے جس میں بڑی صلاحیتیں اور امکانات ہیں۔ اگر اس قسم کے حیات بخش شعور اور علم افروز تجربے کے امکانات کو کھول دیں تو مذہب کے امکان کا سوال بطور ایک اعلیٰ تجربے کے بالکل جائز ہو جائے گا۔'' (۳)

اس پر علامہ محمد اقبال کا کہنا ہے کہ مذہب کے سوال کو اگر زیرِ غور نہ بھی لایا جائے تب بھی عصری حوالے سے جدید ثقافت کی تاریخ کے اس موقع پر ایسے سوالات کی گنجائش بنتی ہے۔ دنیا کی ثقافتوں میں جوہریت کی ہمیشہ اہمیت رہی ہے مثلاً برصغیر کا تصور جوہریت، یونانی جوہریت، مسلم جوہریت اور جدید تصور جوہریت۔ علامہ محمد اقبال نے دوسرے خطبے (طبیعیات سے متعلق بحث اور اس پر آئن اسٹائن کا نظریہ اضافیت) میں بھی اور اس خطبے میں بھی جدید جوہریت کو سراہا ہے کہ اس کے ریاضیاتی پہلو نے بہت سے پرانے تصورات کو دھندلا دیا ہے۔ اگر یہاں خطبہ دوم پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ علامہ محمد اقبال کا اشارہ یہاں کس طرف ہے۔ ان کا موقف ہے کہ محض سلسلہ علت و معلول یا محض عقل و فکر ہی کل سچائی نہیں بلکہ حقیقت مطلقہ تک رسائی کے دیگر ذرائع بھی ہیں۔ اس پر انھوں نے پروفیسر اڈنگٹن کا قول نقل کیا ہے کہ طبیعیات حقائق کا محض جزوی پہلو ہے جب کہ محسوسات، مقاصد اور اقدار بھی ہمارے شعوری حصے کی بناوٹ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

"The entities of physics can from their very nature form only a partial aspect of the reality. How are we to deal with the other part? It cannot be said that other part

concerns us less than the physical entities. Feelings, purpose, values, make up our consciousness as much as sense - impressions."(4)

مذہب کی ضرورت و اہمیت کے پیشِ نظر انھوں نے دورِ حاضر کے انسانوں کے فکری انتشار اور ذہنی پراگندگی کا بھی ذکر کیا ہے جس کا حل محض روحانیات یا مذہب ہی ہوسکتا ہے۔ جب کہ دیگر ثقافتیں اور نظریہ ارتقا کے فلسفہ دان نسانی مستقبل کے حوالے سے مایوسی پھیلا رہے ہیں اور نطشے ایسے روشن خیال نے بھی انسان کے مستقبل سے خائف ہوکر انسان کے بار بار لوٹ آنے (تکرارابدی اس کا ذکر بھی علامہ نے گزشتہ خطبات میں تفصیلاً کر دیا ہے) کا ہی بے جان سہارا تلاشا ہے۔ ایسے میں اسلام کا پیغام امید ورجا اور اس کے مولانا جلال الدین رومی ایسے شارحین امنگ، ولولہ اور جوش جگاتے نظر آتے ہیں۔ ثبوت کے طور پر علامہ محمد اقبال نے مولانا کے اشعار پیش کیے ہیں۔ ان کے خیال میں مغرب میں جہاں لوگ مادہ پرستی کی وجہ سے روحانی انتشار کا شکار ہورہے ہیں وہیں مشرق میں بھی لوگوں کو جھوٹی رہبانیت، جہالت اور روحانی غلامی پر قناعت سکھائی جارہی ہے۔ انھوں نے سوشلزم کو بھی اسی لیے اچھا تصور نہیں کیا کہ یہ تشکیک اور غصے کی نفسیاتی قوتوں کے بل بوتے پر آگے بڑھنے پر مجبور ہے اور اس کا کوئی روحانی سہارا نہیں۔ وہ امت مسلمہ اور عصری مسائل کی تشخیص کے بعد حل کے طور پر پھر سے مذہب ہی کو پیش کرتے ہیں جو کہ ان کی نظر میں:

> ’’حیاتیاتی احیا آج کی دنیا کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور مذہب، جو کہ اپنی اعلیٰ ترین صورت میں نہ تو ایک اندھا اذعانی عقیدہ ہوتا ہے اور نہ رہبانیت اور نہ رسم ورواج، تنہا جدید انسان کو اخلاقی طور پر وہ ذمہ داری اٹھانے کے قابل بنا سکتا ہے جو جدید سائنس کی ترقی کے نتیجے میں اس پر آن پڑی ہے اور انسان کے ایمان کو بحال کرکے ایک ایسی شخصیت کی تعمیر کرسکتا ہے جسے وہ موت کے بعد بھی باقی رکھ سکے۔‘‘(۵)

مذہبی نقطہ نگاہ ہی سے انھوں نے انسانوں میں خودی کی بیداری کا ذکر بھی کیا ہے۔ علامہ محمد اقبال کا تیسرا خطبہ بھی اسی ضمن میں پیش کیا تھا جس میں خودی کی آبیاری کے طریق ومراحل اور اس کی ضرورت واہمیت پر بات کی گئی تھی۔ ان کے خیال میں محض خودی ہی اس کے روحانی سفر میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

نفسیاتِ مذہب پر بات کرتے ہوئے علامہ محمد اقبال نے نفسیات دانوں کی جانب سے

مایوسی کا اظہار کیا ہے جو اس حوالے سے درحقیقت کچھ زیادہ نہیں جانتے۔ ینگ ایسا ماہر نفسیات دان بھی مذہب کے مبادی تک سے واقف نہیں اور روحانی شخصیات کو دماغی یا عصبی خلل سے تعبیر کیا ہے۔ یہاں تک کہ معاذ اللہ نبی کریم ﷺ کی روحانی کیفیات کو بھی اسی منفی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس پر بحث کرتے ہوئے انھوں نے دلیل پیش کی ہے کہ اگر نفسیات دانوں کا یہ نقطہ نگاہ درست ہے تو پھر وہ یہ بھی بتائیں کہ جن کے غلاموں نے دنیا کی کایا پلٹ دی ان کے بارے میں ایسی فضولیات کیا فائدہ دے سکتی ہیں۔ نفسیات کی سمجھ سے بالاتر اعمال وافکار پر الزامات لگانے سے بہتر ہے ان کی بہتر تفہیم کی کوشش کی جائے۔ مذہب کی نفسیات اور تصوف کو مثبت طریقے سے سمجھنے کے لیے علامہ محمد اقبال شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) کا اقتباس پیش کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

> "According to him this ‘Alam-i- Amr, i.e. “the world of directive energy”, must be passed through before one reaches that unique experience which symbolizes the purely objective. This is the reason why I say that modern psychology has not yet touched even the outer fringe of the subject. Personally, I do not at all feel hopeful of the present state of things in either biology or psychology"
>
> ترجمہ: ''عالم امر یعنی رہنمائی دینے والی توانائی کی دنیا سے گزرنا ضروری ہے تاکہ اس منفرد تجربے تک رسائی حاصل ہو سکے جو وجود حقیقی کا مظہر ہے۔ اسی بنا پر میں کہتا ہوں کہ جدید نفسیات نے ابھی تک اس موضوع کی بیرونی حد کو بھی چھوا تک نہیں۔ ذاتی طور پر میں حیاتیاتی یا نفسیاتی سطح پر تحقیق کی موجودہ صورت حال کے بارے میں بھی پرامید نہیں۔ تخیل کے عضویاتی کوائف، جن میں مذہبی زندگی بعض اوقات اپنا اظہار کرتی ہے، کی جزوی تفہیم کی بنا پر محض تجزیاتی تنقید سے ہم انسانی شخصیت کی زندہ جڑوں تک نہیں پہنچ سکتے۔''(۶)

اس خطبے کے آخر میں علامہ محمد اقبال نے مذہب اور سائنس کی نوعیت مختلف مگر مقصد و مدعا

میں انسلاک بیان کیا ہے اور یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ مذہب اس حوالے سے برتر ہے۔ دونوں ہی کو تحقیق و تنقید کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور دونوں ہی وجودِ باری تعالیٰ کا پتہ بھی دیتے ہیں۔ سائنس میں ہمارے مشاہدات خارج تک محدود رہتے ہیں جب کہ مذہب داخلیت کو پروان چڑھاتا ہے۔ خودی اگر سائنسی عمل میں تماشائی کا کردار ادا کرتی ہے تو مذہبی عمل میں اپنے مختلف قسم کے رجحانات میں ہم آہنگی و یگانگت پیدا کرتی ہے۔ یوں ان دونوں ذرائع کے ذریعے علامہ محمد اقبال نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ مذہب کو اگر سائنس کی کسوٹی پر بھی پرکھا جائے تو پہلے کچھ ضابطے طے کرنے ہوں گے۔ مذہب ایک ایسی حقانیت ہے جس سے کسی بھی دور میں انکار ممکن نہیں۔

''کیا مذہب کا امکان ہے''؛ شرح از ڈاکٹر جاوید اقبال

درج بالا عنوان کے تحت جو کہ انگلش خطبے کے اصل متن کا حرف بہ حرف ترجمہ ہے، ڈاکٹر جاوید اقبال نے خطبات کی تسہیلی کتاب ''خطباتِ اقبال تسہیل و تفہیم'' میں صفحہ نمبر ۲۱۴ سے ۲۳۶ تک تئیس (۲۳) صفحات پر مشتمل شرح تحریر کی ہے۔ اس خطبے کی شرح بھی ان کی دیگر خطبات کی شروح سے اس لیے ممتاز ہے کہ اس میں انھوں نے شرح کے ساتھ ساتھ تفصیلاً اس خطبے پر کیے گئے ان اعتراضات کا جائزہ بھی لیا ہے۔ اسی لیے تئیس (۲۳) میں سے خطبے کے بارہ صفحات کو محض اعتراضات کے جوابات کے لیے مختص کیا گیا ہے جب کہ آخری ایک صفحہ حواشی و حوالہ جات پر مشتمل ہے جن کی تعداد پچیس (۲۵) ہے۔ خالصتاً خطبے کے متن کی شرح پر ڈاکٹر جاوید اقبال نے دس صفحات تحریر کیے ہیں جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں رہتا کہ اتنے کم صفحات پر خطبے کے اہم نکات یا ملخص ہی کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ البتہ ان دس صفحات پر بیان کیے گئے مباحث خالصتاً غیر مبہم، سادگی و سلاست اور رواں نثر کا نمونہ ہیں۔ انھوں نے پہلی سطر کا آغاز مذہبی زندگی کے تین ادوار ہی سے کیا ہے۔ اسی صفحے پر تین موضوعات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس میں مذکورہ موضوع کے بعد تصوف اور پھر دورِ حاضر کے تصوف سے اس لیے دوری کہ وہ محسوسات ہی پر ایمان رکھتا ہے، بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

> ''تیسرے دور میں بقول اقبال نفسیات انسان میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ حقیقت مطلقہ سے براہ راست اتصال قائم کرے۔ یہی دور ہے جس میں انسان اپنی زندگی میں قوت کا سرچشمہ بن جاتا ہے اس میں صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ ایک شخصیت حاصل کر لینے کے بعد نظم وضبط کے قوانین یا شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے اپنے شعور کی گہرائیوں میں حقیقت مطلقہ کا مشاہدہ کرے۔۔۔اقبال کی دانست میں یہی مذہب کا آخری مرحلہ ہے اور اگر اسے تصوف کا نام دیا جائے تو ممکن ہے لوگ پسند نہ کریں

کیوں کہ تصوف کے بارے میں عام خیال یہی ہے کہ یہ ذہن کی
ایسی روش کا نام ہے جو زندگی کے حقائق کی نفی یا ان سے چشم پوشی کی
ترغیب دیتی ہے۔لہٰذا آج کے انسان کے لیے جو''محسوس'' کی دنیا
میں رہتا ہے،اس کے لیے کوئی کشش یا اہمیت نہیں۔''(۷)

اس کے فوراً بعد انھوں نے کانٹ کے اس استفہام اور نفی یا انکار کو خطبے سے نقل کیا ہے کہ کیا مابعد الطبیعیات کا امکان ہے؟ اس نے مابعد الطبیعیات کا انکار اس لیے کیا کہ یہ طبیعیات یا عمومی طور پر حواس کی گرفت میں نہ آنے والی شے ہے۔ اس پر پھر نقل کیا گیا ہے کہ ان حقائق کو سامنے رکھ کر جو سائنس نے پیش کیے کہ مادہ محض ٹھوس نہیں ایٹموں کا مجموعہ ہے اور بجلی اصل میں لہریں ہیں وغیرہ۔ دوسرے ہی صفحے پر ابن عربی کا قول درج کیا ہے کہ حقیقت مدرکہ تو خود ذاتِ خدا سے وابستہ ہے اور غور کیا جائے تو خارج سے حواس کے ذریعے خدا ہی کا ادرک ہوتا ہے۔ پھر اس میں مختصراً سائنس کی حقیقتِ مطلقہ تک نارسائی اور جدید دور میں قدامت پسند صوفیا کا ذکر ہے جن کی وجہ سے روحانیات کے سلسلے آگے نہیں بڑھ پا رہے۔ علامہ محمد اقبال کو اس بات کا اقرار ہے کہ خودی کے تجربات انفرادی ہیں اور اسے (روحانی تجربات) وہ خطبہ اول میں تفصیلاً بیان بھی کر چکے ہیں۔ یہاں وہ اسی بات کا پر پھر سے اعادہ کرتے ہیں کہ اسی لیے مذہبی تجربے کو بھی ایک اعلیٰ و ارفع تجربے کے طور پر قبول کیا جائے۔ دورِ حاضر میں وہ سائنس کی تباہ کاریوں، مادہ پرستی کے پروان چڑھنے اور فکری انتشار کی صورت میں مذہبی تجربے کی اہمیت کو پہلے سے زیادہ اجاگر کرنے کی بات کرتے ہیں۔اس سارے حصے میں ڈاکٹر جاوید اقبال نے علامہ محمد اقبال ہی کے افکار کو دہرایا ہے کچھ خاص اضافہ نہیں کیا۔اسی طرح ان کا جدید دور کے انسانوں کی ناامیدی اور مایوسی بڑھاتی ہوئی المناک تہذیب کے بارے میں بیان اور اس کے مقابل اسلام کا امید و رجائیت کا پیغام بھی علامہ محمد اقبال کے بیانات ہی کی وضاحت ہے۔ اس کے بعد انھوں نے مذہبی نفسیات کے حوالے سے یونگ کے خیالات،اس کا مختصراً شیخ احمد سرہندی کے افکار سے موازنہ اور آخر میں خطبے میں پیش جاوید نامہ کے اشعار کا ترجمہ دے کر تفہیم والا حصہ مکمل کیا ہے۔اس کے بعد اعتراضات کے جوابات والا حصہ شروع ہوتا ہے۔درحقیقت یہی حصہ اس شرح کا اہم ترین حصہ ہے۔

اس خطبے پر اعتراضات میں سب سے پہلا اعتراض جو برہان احمد فاروقی، محمد سہیل عمر اور الطاف احمد اعظمی نے کیا ہے اس میں مماثلت پائی جاتی ہے۔اعتراض یہ ہے کہ علامہ محمد اقبال نے مذہبی زندگی کے مدارج یا تقسیم میں ''معرفت'' کا جو بیان کیا ہے اس سے مذہبی زندگی کی کاملیت ظاہر ہوتی ہے اور یہ برہان احمد فاروقی کے مطابق اس لیے درست نہیں کہ اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ بعد کے دور یا عصرِ حاضر کے لوگ صحابہ کرام سے بھی افضل ہیں۔ سہیل عمر نے برہان احمد فاروقی ہی کے

اعتراض کو ذرا مختلف الفاظ میں بیان کیا ہے البتہ اس میں ایک قرآنی آیت کا حوالہ دیا ہے جس کے مطابق اسلام کے پہلے دور کے لوگ یعنی صحابہ و تابعین کو بعد کے لوگوں پر افضلیت حاصل ہے۔ الطاف احمد اعظمی تو اس بات پر مصر ہیں کہ علامہ محمد اقبال کے یہ خیالات ہی معنوی اور مفہومی حوالے سے قرآن مجید کے معانی کے متضاد ہیں۔ ان کے نزدیک سب سے اہم اطاعت ہے جس سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور پھر ایسی حالت جسے ''احسان'' کہا گیا ہے یعنی ایسا استغراق کہ گویا انسان اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ جواباً ڈاکٹر جاوید اقبال نے تین معروضات پیش کی ہیں۔ اول تو یہ کہ سبھی معترضین نے اعتراضات کا دروا کرتے ہوئے اس خطبے کے محلِ وقوع اور سامعین کو نظر انداز کیا ہے۔ یہ خطبہ لندن میں ارسطاطلین سوسائٹی کی فرمائش پر پڑھا گیا تھا اور بعد میں چھ خطبات میں شامل ہوا۔ ان کے سامعین کی اکثریت اسلام سے واقف نہ تھی اس لیے اس میں عمومی طور پر جو بات کی گئی ہے اس کا مقصود مذہب کو سمجھانا اور بعد ازاں اسلام کے نقطۂ نظر سے اس کی وضاحت ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''جہاں تک اس مقالے کا تعلق ہے، اس میں مذہب کی اصطلاح وسیع معانی میں استعمال کی گئی ہے اور اس سے ضروری نہیں کہ مراد اسلام لی جائے۔ اگرچہ چند مقامات پر اسلامی تصوف کے بعض پہلوؤں ی مثالیں دی گئی ہیں۔''(۸)

مولانا محمد شفیع کی تفسیرِ قرآن میں اسی آیت کی تفسیر میں حدیثِ رسول ﷺ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اولین و آخرین دونوں ہی امت محمد ﷺ کے دو طبقات ہیں۔ یعنی جہاں ایک جانب اس میں صحابہ و تابعین ایسی ہستیاں موجود رہیں وہیں اس میں اولیاء اللہ مومنین و متقین کی بھی کثرت رہے گی۔ اس ضمن میں انھوں نے احمد جاوید کا جو بیان بطور حوالہ پیش کیا ہے اس میں نقطۂ نظر ہی معترضین سے بالکل جدا اختیار کیا گیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

> ''مذہبی شعور کے بنیادی عناصر تین ہیں: عقیدہ، عمل اور حال۔ یعنی ایمان، عمل اور مشاہدہ۔ مذہب پہلے شعور کی ایمانی تشکیل کرتا ہے اور پھر ایمان کو علم و عمل کے ساتھ ملا کر اسے شعور کا بنیادی حال یا کیفیت بنا دیتا ہے۔ مذہب کی یہ اصولی کارفرمائی اگرچہ ایک تاریخی ترتیب بھی رکھتی ہے مگر دراصل یہ سارا عمل داخلی ہے اس لیے یہ کہنا کہ اقبال نے ہمیں صحابہ سے زیادہ کامل مذہبی بنا دیا، محض غلط فہمی ہے۔۔۔اعتقاد، علم اور حسی ادراک کے تین ستونوں سے بے نیاز ہو کر ہم مذہبی شعور اور زندگی کا نفسیاتی اور تہذیبی مطالعہ نہیں کر سکتے۔''(۹)

اس حوالے سے اہم بات یہ کہ ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق برہان احمد فاروقی اور محمد سہیل عمر نے جس ضمن میں علامہ محمد اقبال پر اعتراض کیے ہیں اسی ضمن میں خود ان پر بھی اعتراض وارد ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اگر ان صاحبان کے مطابق یہ تصور کیا جائے کہ مذہب سے قریب رہنے پر ایمان کی مضبوطی اور دوری پر کمزوری اور اس کے نتیجے میں مذہبی دنیا میں تحریک پیدا ہوتی ہے تو یہ نظریہ بذاتِ خود مایوس کن ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

> ''مذہبی زندگی کا دور تک شروع ہوتا ہے جب ایمان ضعیف ہو جائے یعنی مذہب کی عقلی توجیہ اس لیے تلاش کی جاتی ہے تا کہ مذہبی زندگی میں نیا تحرک پیدا ہو سکے۔ بس بقول سہیل عمر نظریہ سازی اس مرحلہ پر ہوتی ہے جب زوال کا آغاز ہو اور یہ عمل ترقی کی علامت نہیں بلکہ اس ک برعکس کمزوری کا اظہار ہے۔ مگری یہاں استدلال نہایت مایوس کن ہے۔ سہیل عمر کی نگاہ میں اس کمزور کا انجام کیا ہوگا؟ کیا مذہب پر سے مسلمانوں کا ایمان بالآخر اٹھ جائے گا؟'' (۱۰)

اسی طرح جاندار انداز میں ڈاکٹر جاوید اقبال نے معترضین برہان احمد فاروقی اور محمد سہیل عمر کے اس اعتراض کا جواب دینا چاہا ہے کہ علامہ محمد اقبال نے نبی کریم ﷺ کو نفسیاتی معاملات میں درست نہ کہنے پر تنقید نہیں کی بلکہ اسے تسلیم کیا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے کہ علامہ محمد اقبال نے نہ تو ان کے اس اعتراض کو تسلیم کیا اور نہ ہی یہ معاذ اللہ ایسا تصور کیا۔ البتہ ان کے مخاطبین چونکہ مذہب سے دور تھے اس لیے انھیں یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ جس ہستی کے بارے میں ایسے نفسیاتی اعتراضات کیے جائیں اس کے غلام بھی دنیا پر بادشاہت کریں اور وہ دنیا کا سارا نظام بدل کر رکھ دیں۔ اسی ضمن میں انھوں نے خود یورپ سے جارج فاکس کا ایک حوالہ پیش کیا ہے لیکن اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ علامہ محمد اقبال نے اس بات کو تسلیم کیا۔ اسی حوالے سے ان کا یہ موقف بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ علامہ محمد اقبال کے مخاطبین مسلمان نہیں تھے جن کے آگے قرآنِ مجید کی آیات پڑھ کر سنائی جائیں، انھیں ان ہی کے انداز میں سمجھانے کی کوشش کی گئی۔ یوں اس اعتراض کے حوالے سے برہان احمد فاروقی، محمد سہیل عمر اور الطاف احمد اعظمی کے بیانات میں جان باقی نہیں رہتی۔

اس خطبے پر آخری اعتراض جو مذکورہ معترضین کی جانب سے کیا گیا وہ یہ ہے کہ علامہ محمد اقبال نے نطشے کے سوالات کی وجہ سے اسے پیغمبر بنا دیا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے نطشے کے حوالے سے سوال کا جواب دینے سے قبل نطشے کی مجذوبی زندگی اور اس کے یورپ پر اثرات کا پس منظری مطالعہ مختصر اور جامع انداز میں پیش کیا ہے جس سے قارئین ایک ہی نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ وہ حالتِ مجذوبی میں روحانی

مراتب والا شخص تھا۔اسی کیفیت کے باعث اس کی بلند رسائی نے اس کی نثر کو ممتاز کیا اور اس کے اثرات دور رس ہوئے۔ یہاں تک کہ اس کا موازنہ یورپ کے کسی بھی نثار سے کیا جا سکتا ہے۔ایسے میں اس کے کام کو پیغمبرانہ بصیرت کا حامل کہنا اور اسے پیغمبر کہنے میں جو فرق موجود ہے اسے معترضین سمجھ نہیں سکے بلکہ ایک کی پیروی میں دوسرے نے وہی اعتراض الفاظ کے سرسری رد و بدل کے ساتھ تحریر کر دیئے۔ لکھتے ہیں:

''یہ تو ویسی صورت ہے جیسے ''مثنوی'' کے بارے میں مشہور ہے کہ
فارسی زبان میں قرآن ہے۔کیا اس سے مولانا رومی کو پیغمبر یا نبی
قرار دیا جا سکتا ہے؟ یا گرامی نے اقبال کے بارے میں کہہ دیا کہ
پیغمبر نہیں پیغمبری کرتا ہے۔کیا یوں اقبال پیغمبر بن گئے؟''(۱۱)

آخر میں ڈاکٹر جاوید اقبال نے پھر سے اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ یہ علامہ محمد اقبال کا اہم ترین خطبہ ہے اور اس کی عصرِ حاضر میں بھی ایسی ہی ضرورت و اہمیت ہے جیسی اس وقت تھی جب یہ پیش کیے گئے۔اجمالی طور پر یہ شرح خطبات کی دفاعی حیثیت رکھتی ہے اور اسے اسی تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، بالِ جبریل لاہور: تاج کمپنی، ۱۹۳۵ء، ص ۱۱۲

2. Muhammad Iqbal, Dr. The Reconstruction of Religious Thought in Islam, Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2011,P-146

۳۔ وحید عشرت، ڈاکٹر، تجدید فکریاتِ اسلام، طبع سوم، لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۱ء، ص:۲۱۹

4. Muhammad Iqbal, Dr. The Reconstruction of Religious Thought in Islam, P-147

۵۔ وحید عشرت، ڈاکٹر، تجدید فکریاتِ اسلام، ص:۲۲۳

6. Muhammad Iqbal, Dr. The Reconstruction of Religious Thought in Islam, P-153

۷۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، خطباتِ اقبال تسہیل و تفہیم، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص:۲۱۴

۸۔ ایضاً، ص:۲۶۶

۹۔ ایضاً، ص:۲۲۷

۱۰۔ ایضاً، ص:۲۲۶

۱۱۔ ایضاً، ص:۲۳۳

☆......☆......☆